علماءِ کرام کی خدمت میں

گذشتہ اشاعت میں اُن فتووں اور اشتہارات کا ذکر آچکا ہے جو دیوبند، مظاہر العلوم، تھانہ بھون اور دہلی کے بعض مشہور علماء کے قلم سے نکلے ہیں۔ اب ہمیں ایک اور اشتہار وصول ہُوا ہے جسے ہندوستان سے لاکر پاکستان میں پھیلایا جارہا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:-

حضرت مولانا مدنی کا بصیرت افروز بیان

مولانا مولوی عبدالحمید بلند شہری مدرس مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ ضلع سہارنپور کے ایک خط کا وہ اقتباس ہے جو انہوں نے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی عمت فیوضہم کو لکھا ہے، ذیل میں صرف وہ حصہ ہے جس کا تعلق اس جماعت سے ہے جس نے اپنا نام جماعت اسلامی رکھا ہے۔

"یہ خیال اس وقت سے پیدا ہُوا ہے جب سے مودودیت جو کہ گنگوہ میں صورت فتنہ اختیار کئے ہوئے ہے کچھ تبادلۂ خیالات اور کچھ اُن کے اخبارات کا مطالعہ تردیداً کیا گیا۔ یہ لوگ صحابہؓ تک متجاوز کہہ دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ، ابن عمرؓ، عائشہ رضی اللہ عنہا وعنہم کو احیاء تبلیغ دین میں متجاوز عن الاعتدال کے الفاظ اختیار کئے ہیں۔ نیز خود مسلک اعتدال میں فرماتے ہیں کہ میں نے اشخاص ماضی وحال بلا واسطہ دین کو کتاب السنہ، کتاب اللہ سے سمجھا ہے۔ نیز حضرت حاجی علیہ الرحمتہ ومجدد الف ثانی علیہ الرحمتہ کے متعلق لکھتے ہیں ان حضرات نے ابتدائے زندگی میں تو اچھا کام کیا مگر اخیر عمر میں ایسی مسموم غذا مسلمانوں کو دے گئے ہیں کہ آج تک مسلمان اس کے زہر سے محفوظ نہیں ہے اور بھی تنقیدات تصوف پر بہت کی ہیں۔ بعض اہل گنگوہ نے دیگر بعض کو حضرت بوسعید علیہ الرحمتہ کے مزار پر جانے سے روکتے ہوئے کہا کہ ایک سنیاسی ہے جو پتھروں میں پڑا ہے اور یہ مشہور مقولہ ہے مودودیوں کا کہ دیوبند، مظاہر العلوم میں قربانی کے مینڈھے تیار کئے جاتے ہیں علماء پر زبردست ریمارک خاصکر ماضی وحال کے

بزرگوں پر غرض بالتفصیل پھر عرض کرونگا اسوقت یہ عرض کرنے کا مقصد ہے کہ آیا ہم کھل کر ان لوگوں کو جواب دیں کیونکہ خاصکر گنگوہ سے مجھکو واسطہ ہے وہانپر میں اشرف العلوم میں خدمت کرتا ہوں اور شب و روز یہ منکرات سامنے آتے رہتے ہیں تو لامحالہ کہنا پڑتا ہے۔ جواب شافی سے نوازیں۔"

عبدالحمید بلند شہری

الجواب :- انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ خواہ صحابہ اکرام ہوں یا اولیاء عظام یا ائمہ حدیث و فقہ و کلام کوئی بھی معصوم نہیں ہے سب سے غلطیاں تو ہو سکتی ہیں مگر ان کے متعلق اختماد کی شہادتیں قرآن حدیث میں بکثرت موجود ہیں اور ان کے اعمالنامے اور اتقاء و علم کی تاریخی روایات معتبرہ اس قدر اُمت کے پاس ہیں کہ قرون طالبہ کے پاس ان کا عشر عشیر بھی نہیں ہے ان پر تنقید ان ہی جیسے پایہ علم و اتقاء والا کر سکتا ہے ہمارے زمانہ کے ٹٹپونجئے جن کے پاس علم ہے نہ تقویٰ کیا منہ رکھتے ہیں کہ زبان دراز کریں سوائے اپنی بدبختی کے اظہار کے اور کیا حیثیت رکھتے ہیں ؎ چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ۔ میلش اندر طعنہ پاکاں زند اللہ تعالیٰ ان کی تعریف فرماتے ہوتے فرماتا ہے محمد رسول اللہ والذین معہ اشدء علی الکفار الآیۃ دوسری جگہ ہے ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم الآیۃ تیسری جگہ ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔ الآیۃ۔ چوتھی جگہ ہے وکذٰلک جعلنٰکم امۃ وسطا۔ الآیۃ اور یہ کم بخت انکی شان میں ہذیان بکتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم من بعدی غرضا۔ الحدیث خدا سے ڈرو میرے اصحاب کے متعلق میرے بعد انکو نشانہ ملامت مت بناؤ آپ فرماتے ہیں خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم الحدیث اور یہ بدبخت ان کی شان میں بدگوئیاں کرتے ہیں سوائے بدنصیبی کے اور کیا ہے ان خبیثوں سے گفتگو اور مناظرہ وغیرہ کرنا اپنے وقت کو ضائع

لہ عبارت کی تمام غلطیاں اور بے ربطیاں جوں کی توں اشتہار ہی سے نقل کی گئی ہیں۔ کاتب ترجمان یا ادارہ ترجمان کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

کرتا ہے اللہ تعالیٰ انکی اور ہماری ہدایت فرمائے آمین۔ دارالعلوم اور مظاہر العلوم یا اُن کے بنیاد رکھنے والوں اور طلباء اور مدرسین کے متعلق ہر گمراہ اور مخالف اہل اسلام اور مخالف اہل سنت ایسے ہی الفاظ کہتا ہے[1]"

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ

المشتہر

مولوی سید شفیق الرحمٰن محلہ عالی کلاں سہارنپور

مطبوعہ مدرسہ برقی پریس مراد آباد

یہ اشتہار بازی بجائے خود اس نوعیت کی ہے کہ اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے سخت انقباض محسوس ہوتا ہے، اور ناظرین ترجمان القرآن گواہ ہیں کہ اس طرز کے اشتہارات اور اخبارات و رسائل کے مضامین سے کبھی ان صفحات میں تعرض نہیں کیا گیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بعض نادان مرید اور شاگرد اب ایسے اکابر کو اس میدان میں اُتار لاتے ہیں جو اپنے علم و تقویٰ اور روحانی مشیخت کے لحاظ سے ہندوستان و پاکستان کی مذہبی دنیا میں معتمد علیہ ہیں، اس لئے مجبوراً پچھلی اشاعت میں بھی ان کی طرف توجہ کرنی پڑی تھی، اور اب اس اشاعت میں دوبارہ اس پر اظہار خیال کرنا پڑ رہا ہے۔ ہماری طرف سے اس سلسلہ میں یہ آخری گزارشات ہیں۔ خدا کرے کہ اس کے بعد پھر ان صفحات کو اس طرز خاص کے پروپیگنڈے کی جواب دہی سے آلودہ کرنے کی نوبت نہ آئے۔

(۱)

سب سے پہلی نمایاں چیز جو مولانا حسین احمد صاحب کے اس بیان میں نگاہ کو کھٹکتی ہے وہ اُن کی زبان ہے جسے ممکن ہے مولانا خود اپنے شایان شان سمجھتے ہوں، مگر ہم ان کے ساتھ اتنا حُسنِ ظن رکھتے ہیں کہ یہ زبان ہمیں ان کے مرتبے سے فروتر نظر آتی ہے۔ کسی شخص یا گروہ سے اختلاف ہونا کوئی بُری بات نہیں ہے۔ سخت سے سخت اختلافات ہو سکتے ہیں اور سخت سے سخت اظہار رائے شریفانہ زبان میں کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ زبان، کہ جس سے اختلاف ہوا اس کے خلاف ٹٹ پونجیے، کم بخت، بدبخت،

[1] یہ عبارت بھی اشتہار سے جوں کی توں نقل کی گئی۔

و خبیث جیسے رکیک الفاظ استعمال کر ڈالے جائیں، ایک مہذب آدمی کے بھی شایان شان نہیں ہے بجائیکہ ایک ایسا مرد بزرگ اس کو اختیار کرے جو اس بر عظیم کی سب سے بڑی دینی درسگاہ کا مسند نشین ہے اور جس کی طرف ہزارہا آدمی تعلیم دین ہی کے لئے نہیں، تزکیۂ نفس کے لئے بھی رجوع کرتے ہیں جب قوم کے مقتدا اور مربّی و معلّم اس طرح کی باتوں پر اُتر آئیں تو بعید نہیں کہ اُن سے اخلاق و تہذیب کا سبق لینے والے اصاغر آدمیت سے بالکل ہی عاری ہو جائیں اور اس قوم میں نام کو بھی ایک دوسرے کی عزت کا پاس باقی نہ رہ جائے۔

اذا کان رب البیت بالطبل ضاربًا فلا تلم الاولاد فیہ علی الرقص

مولانا کو اگر یاد نہ ہو تو ہم انہیں یاد دلاتے ہیں کہ کسی وقت ہم نے بھی ان کے نظریۂ قومیت اور ان کی کانگریس سے موافقت پر تنقید کی ہے۔ وہ تنقید اب بھی ہماری کتابوں "مسئلہ قومیت"، اور "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ دوم" میں موجود ہے۔ وہ اور ان کے شاگرد اور مرید ہماری ان تنقیدی عبارات کو دیکھ کر خود رائے قائم فرمائیں کہ دونوں زبانوں میں کتنا فرق ہے۔ بالفرض اگر دس بارہ برس بعد اُس کا بدلہ لینا ہی ضرور تھا تو جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا کے اصول پر لیا جا سکتا تھا۔ یہ تعدّی آخر کس آئین کی رُو سے حضرت کے لئے جائز ہو گئی؟

(۲)

دوسری بات جو اس سے بھی زیادہ افسوسناک ہے، وہ مولانا کی انتہائی غیر ذمہ دارانہ روش ہے جو انہوں نے دوسروں کے دین و اعتقاد پر اظہار رائے کرنے میں اختیار کی ہے۔ ان کے سامنے ایک مفروضہ سوال پیش نہیں کیا گیا تھا بلکہ ایک جماعت کا نام لے کر اس پر چند الزامات لگائے گئے تھے تنابزبالالقاب سے قطع نظر "مودودیوں" اور "مودودیت" کے الفاظ سے جس جماعت کا ذکر کیا گیا ہے، مولانا اُس سے بالکل ناواقف نہ تھے۔ اُن کو خوب معلوم تھا کہ ہندوستان و پاکستان میں ہزارہا مسلمان اُس سے وابستہ اور لاکھوں اس سے متاثر ہیں۔ ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس جماعت کے خیالات کہیں چھپے ہوئے نہیں ہیں بلکہ لکھے لکھائے مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔ اس کے باوجود ایک سائل نے جیسے کچھ بے سر پا

الزامات بغیر کسی حوالے اور ثبوت کے اُس پر لگا دیے اُن کو مولانا نے جُوں کا توُں تسلیم کر لیا اور اُن پر ایک تند و تلخ جواب غالباً یہ جانتے ہوئے سائل کے حوالہ کر دیا کہ اس سوال و جواب کو ان کے اپنے معتقدین اشتہار بازی کے لئے استعمال کرنے والے ہیں۔ انہوں نے کوئی ضرورت یہ تحقیق کرنے کی نہیں سمجھی کہ جس گروہ کے متعلق یہ سوال کیا جا رہا ہے اُس نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور دوسرے بزرگوں کے متعلق فی الواقع کیا لکھا ہے، کن الفاظ میں لکھا ہے، کس سیاق و سباق میں لکھا ہے، اور اس کی دوسری تحریرات کیا شہادت دیتی ہیں کہ وہ ان بزرگوں کے متعلق کیا خیالات رکھتا ہے۔ انہوں نے یہ معلوم کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہ سمجھی کہ اس گروہ کے بعض اشخاص کی طرف منسوب کر کے جو باتیں سوال میں لکھی گئی ہیں وہ فی الواقع کس کی لکھی ہیں، اُن کی اِس گروہ میں کیا حیثیت ہے، اور اس کی کسی بات کو پورے گروہ کے خیالات کی ترجمانی قرار دیا بھی جا سکتا ہے یا نہیں۔ بالفرض اگر مولانا کے پاس اس گروہ کی مطبوعات پڑھنے کے لئے وقت نہ تھا، اور نہ بیان کردہ امور کی تحقیق ہی کے لئے وہ فرصت پاتے تھے، تو آخر کس طبیب نے مشورہ دیا تھا کہ حضرت اس معاملہ میں رائے ضرور دیں؟ میں پوچھتا ہوں، کیا مذہبی پیشوائی کی ایسی ذمہ دارانہ مسند پر بیٹھ کر ایک متقی عالم کی یہ روش ہونی چاہئے؟ کیا تقویٰ اور دیانت اِسی چیز کا نام ہے؟ کیا یہی وہ تزکیۂ نفس ہے جس سے حضرت خود بہرہ مند ہیں اور دوسروں کو بہرہ مند فرما رہے ہیں؟ کیا اس جواب کی تحریر کے وقت حضرت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات یاد تھے کہ سبابُ المسلم فسق اور کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ؟ کیا یہ جواب لکھتے وقت حضرت نے ایک لمحے کے لئے بھی یہ سوچا تھا کہ ہمیں اور انہیں ایک وقت مرنا اور اپنے رب کی عدالت میں حاضر ہونا ہے، وہاں اگر سائل کے الزامات محض بہتان و افترا ثابت ہو گئے تو حضرت اس کی توثیق کی پاداش سے کیا دیکھیں گے؟

(۳)

مولانا اور اُن کے گروہ کے دوسرے حضرات، جن کی تحریریں حال میں جماعت اسلامی کے خلاف شائع ہوئی ہیں، اس بات کو بالکل بھول گئے ہیں کہ کسی شخص یا گروہ کے عقیدہ و مسلک کے متعلق کوئی رائے قائم یا ظاہر کرنا دیانتہً اس وقت تک صحیح نہیں ہے جب تک کہ انصاف کے ساتھ اس کی تمام یا اکثر

تحریروں کو خود نہ پڑھ لیا جائے۔ کسی خدا ترس آدمی کا یہ کام نہیں ہو سکتا کہ وہ محض سنی سنائی باتوں پر دوسروں کو ضالّ اور مُضل قرار دے بیٹھے، یا چند نیازمندوں کی پیش کی ہوئی نشان زدہ عبارتوں پر رائے قائم کرلے اور اسے شائع کردے، یا پہلے کسی کی خبر لینے کا عزم کرلیا جائے اور پھر اس کی کتابیں اس غرض سے کھنگالی جائیں کہ کہاں اس کو مطعون کرنے اور اس پر الزام تراشنے کی کوئی گنجائش ملتی ہے، یا ایک شخص کی بعض عبارتوں سے ایسے معانی اور نتائج نکالے جائیں جن کی تردید خود اسی شخص کی بہت سی دوسری عبارتیں کر رہی ہوں۔ اس طرح کی حرکتیں وہ لوگ تو کر سکتے ہیں جن کے پیشِ نظر صرف دنیا اور اس کی زندگی ہے، مگر جنہیں خدا اور آخرت کا بھی کچھ خیال ہو اُن سے ایسی حرکات بالکل خلاف توقع ہیں۔

ان حضرات کی وہ تمام تحریریں ہم نے بالاستیعاب پڑھی ہیں جو انہوں نے ہمارے خلاف لکھی ہیں۔ اُن کا پورا تجزیہ کرنے کے بعد جو کچھ ہم نے پایا ہے وہ یہ ہے:-

۱۔ بعض مقامات پر ہماری اصل عبارتیں نقل کرنے کے بجائے اپنے نکالے ہوئے نتائج اپنے الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں اور انہیں ہمارے سر تھوپ دیا گیا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں۔ یہ حرکت تمام ایسے مقامات پر کی گئی ہے جہاں الزام لگانے والے نے یہ محسوس کیا کہ اگر وہ ہماری عبارت کو ہمارے الفاظ میں نقل کرے گا تو اپنا الزام ثابت نہ کر سکے گا۔

۲۔ بعض مقامات پر ہمارے چند فقرے ایک سلسلۂ عبارت سے الگ کرکے اُن سے اپنے مَن مانے نتائج نکالے گئے ہیں۔ حالانکہ اگر وہی مضمون پورا پڑھا جائے یا وہ کتاب پوری دیکھی جائے جس کے چند فقروں پر ان نتائج کی بنا رکھی گئی ہے تو اُس سے بالکل برعکس نتائج نکلتے ہیں۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یا تو محض کسی کے دکھلائے ہوئے نشان زدہ فقرے مفتی صاحب نے ملاحظہ فرما لیے اور فتویٰ رسید کر دیا، یا پھر پورا مضمون پڑھنے کے باوجود دانستہ الزام تراشی فرمائی۔

۳۔ بعض مقامات پر ہماری عبارات میں کھلی کھلی تحریفیں کی گئی ہیں۔ کہیں آگے پیچھے اپنے الفاظ ملائے گئے ہیں اور کہیں ایک فقرے کو اُن فقروں سے الگ کیا گیا ہے جو اصل مدعا کو ظاہر کرتے تھے۔ اس طرح کی تحریفات غالباً یہ سمجھتے ہوئے کی گئی ہیں کہ جن لوگوں کی نظر سے ہماری اصل مطبوعات گزری ہیں ان کی

نگاہ میں چاہے محرّف کی رتی برابر وقعت باقی نہ رہے، مگر بہت سے ناواقف لوگ تو دھوکا کھا ہی جائیں گے

۴۔ بعض مقامات پر ہماری عبارت تو صحیح نقل کی گئی ہے مگر ہمارا منشا سمجھنے کی قطعاً کوئی کوشش نہیں کی گئی اور خالص بدظنی کے ساتھ ہمارے الفاظ سے بالکل غلط معنی نکال لئے گئے، حالانکہ ہم سے پوچھا جائے تو ہم اپنے الفاظ کا صحیح محمل بتا سکتے ہیں اور اپنی دوسری تحریروں سے ثابت کر سکتے ہیں کہ ان الفاظ سے ہمارا اصل مُدّعا کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایک عبارت اگر دو یا زائد معنوں کی محتمل ہو تو معتبر صرف وہی معنی ہونگے جو خود مصنّف بیان کرے اور جن کی شہادت اس کی دوسری عبارتیں دیں، نہ کہ وہ جو ایک معاند بیان کرے۔

۵۔ بعض مقامات پر کسی ماخذ اور حوالے کے بغیر ہماری طرف ایک عقیدہ یا مسلک یا جزئیہ منسوب کر دیا گیا ہے، حالانکہ ہم اس سے بارہا بالفاظ صریح برأت ظاہر کر چکے ہیں اور ہماری تحریروں سے ہرگز اُس الزام کا ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ہم حیران ہیں کہ یہ آخر دیانت کی کونسی قسم ہے کہ کسی کو زبردستی گمراہ، بدعقیدہ اور مجرم بنانے کی کوشش کی جائے درآنحالیکہ وہ بار بار اُس سے برأت ظاہر کر رہا ہو۔

۶۔ بعض مقامات پر ہمارے خلاف ایسے اعتراضات کئے گئے ہیں جن کے مدلّل جوابات ہماری تحریروں میں موجود ہیں۔ یہ اعتراض اگر اُن تحریروں کو پڑھے بغیر کئے گئے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان حضرات کو دوسروں پر اعتراض جڑنے کا بڑا شوق ہے مگر ان کے مسلک سے واقف ہونے کی تکلیف گوارا نہیں ہے۔ اور اگر جوابی دلائل سے واقف ہونے کے باوجود ان اعتراضات کو دہرایا گیا ہے اور جوابی دلائل سے تعرّض نہیں کیا گیا تو یہ صریح جھگڑالو ذہنیت کی علامت ہے۔

۷۔ بعض مقامات پر ہماری تحریک، یا ہمارے مسلک، یا کسی خاص معاملہ میں ہمارے نقطۂ نظر پر ایک جامع رائے کا اظہار کیا گیا ہے مگر اس کی تائید میں کوئی شہادت ہماری تحریروں سے پیش نہیں کی گئی، نہ یہ بتایا گیا کہ اس رائے کی بنیاد کیا ہے۔ اس طرح کی بے بنیاد رائے زنیاں کرنے پر اگر کوئی اُتر آئے تو دنیا میں کون ہے جو اس کی رائے کی ضرب سے بچ سکتا ہو۔

۸۔ بعض مقامات پر ساری اعتراضی تقریر کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک ہم نے

کسی فقہی مسئلے کے بیان میں، یا کسی کلامی مسئلے کی تشریح میں کوئی غلطی کی ہے۔ لیکن اُسے بیان ایسے مبالغہ آمیز انداز سے کیا گیا ہے کہ گویا معاذ اللہ ہم نے سارے دین کو ہدم کر ڈالا ہے۔ حالانکہ نہ علمی مسائل میں غلطی کر جانا کوئی دنیا سے نرالا واقعہ ہے اور نہ ہر غلطی لازماً گمراہی ہوتی ہے۔

۹۔ بعض مقامات پر ایسے امور کو مخالفت اور فتوے بازی کی بنیاد بنایا گیا ہے جن میں اختلاف کی گنجائش ہے اور فریقین کے پاس اپنے اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں شرعی دلائل موجود ہیں۔ اس طرح کے اختلافی مسائل کو ایک علمی بحث کا موضوع تو بنایا جا سکتا ہے، مگر کسی معقول انسان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ان کی بنیاد پر مخالفت کا طوفان اُٹھائے گا اور فتوے بازی پہ اُتر آئے گا۔

یہ تجزیہ جو ہم نے ان حضرات کی مخالفانہ تحریروں کا کیا ہے اس کے ہر جزء کی نظیریں ہم ان کی تحریروں سے پیش کر سکتے ہیں۔ وہ جب چاہیں اس کے نظائر ان کی خدمت میں حاضر کر دیے جائیں گے۔ اس سے پہلے اشتراکی، قادیانی، منکرین حدیث، بریلوی اور مسلم لیگی حضرات اس طرح کی زیادتیاں ہم پر کرتے رہے ہیں۔ بعض مناظرہ باز اہل حدیث نے بھی یہ شیوہ اختیار کیے رکھا ہے۔ بعض اخبارات اور رسائل کا تو برسوں سے مستقل طریقہ ہی یہ رہا ہے کہ ان ہتھکنڈوں سے ہمارے خلاف رائے عام پیدا کریں۔ لیکن ہم کسی ایسے شخص کو قابل التفات نہیں سمجھتے جس کے طرزِ عمل میں حیا اور خوفِ خدا کے فقدان کی علامات پائی جاتی ہوں۔ دیوبند اور مظاہر العلوم کے ان اکابر کو ہم ابھی تک اس صف میں شامل نہیں سمجھتے۔ اُن سے یہ توقع باقی ہے کہ وہ اس حد تک اپنے آپ کو گرا ہوا ثابت نہ کریں گے۔ اسی لئے ہم نے ان پر اتنا وقت صرف کیا ہے۔ خدانخواستہ جس روز اس پہلو سے ہمیں مایوسی ہو گئی، اس کے بعد انشاء اللہ ان کے ہزار مضامین اور اُن کی لاکھ اشتہار بازیوں کا ایک جواب بھی اِدھر سے سننے میں نہ آئے گا۔

(۴)

ہمارے لئے یہ بات سخت حیران کن ہے کہ ہماری مخالفت میں صرف علماء دیوبند ہی نہیں، دوسرے گروہوں کے علماء بھی جن باتوں کو بار بار چھانٹ چھانٹ اور اُبھار اُبھار کر سامنے لا رہے ہیں وہ قریب قریب سب کی سب ایسی ہیں جن کو ہم نے احیاناً کبھی کسی بحث کے ضمن میں، یا کسی سوال کے جواب میں

لکھ دیا ہے، بلکہ بعض باتیں تو ایسی نکال نکال کر لائی جا رہی ہیں جو برسوں سے ترجمان القرآن کے پرانے فائلوں میں دبی پڑی تھیں اور خود ہمیں بھی یاد نہ تھیں کہ وہ ہمارے قلم سے نکلی ہیں۔ ان میں شاید کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے جس کی ہم نے خاص طور پر تبلیغ کی ہو، یا جس کے ماننے کی لوگوں کو دعوت دی ہو، یا جس کو ہم نے بار بار دہرایا ہو۔ لیکن ہمارے یہ مخالف علماء اپنے فتووں اور مضامین اور اشتہارات میں ان کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ گویا ہمارا اوڑھنا بچھونا یہی مسائل ہیں، انہی کے ذکر و بیان میں ہم نے اپنی عمر کھپائی ہے اور انہی کو پھیلانے میں ہم رات دن لگے ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس جن خیالات کو پھیلانے کی فی الواقع ہم برسوں سے کوشش کر رہے ہیں، جن چیزوں کو ہم نے بار بار لکھا اور کہا ہے، جن باتوں کو ماننے کی دنیا بھر کو دعوت دی ہے جن چیز کو قائم کرنے کی سعی میں ایک مدت دراز سے ہم اپنی جان کھپا رہے ہیں، اور جن چیزوں کو مٹانے کے لئے ہم نے اپنا سارا زور صرف کر دیا ہے، ان کا یا تو سرے سے ان حضرات کی تحریروں میں کہیں ذکر ہی موجود نہیں ہے، یا کبھی کبھار کسی نے "ہنرش نیز بگو" کی شرط پوری کرنے کے لئے اُن کا ذکر کیا بھی ہے تو بس ایک اُچٹتا ہوا اشارہ کر دیا ہے۔ کیا ان حضرات میں سے کوئی صاحب ذرا سی تکلیف فرما کر ہمیں بتائیں گے کہ اس انتخاب میں کیا حکمت پیشِ نظر ہے؟ قرآن سے جو اصول ہم نے سمجھا ہے وہ تو یہ ہے کہ آدمی اپنے اُن کاموں سے جانچا جاتا ہے جن کی اسے زیادہ فکر ہو اور جن میں وہ اکثر مشغول رہے۔ یہ غالب فکر اور اکثری مشغولیت اگر حق ہو تو کبھی کبھار کے غلط کام بلا توبہ بھی معاف ہو سکتے ہیں کہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ۔ مگر یہ عجیب ماجرا ہے کہ ہمارے دورِ حاضر کے بزرگانِ دین ایک گروہ کے وقتی اور اجیانی اور عارضی کاموں کو اس مقصد کے لئے چُنتے اور پکڑتے پھرتے ہیں کہ اس کی مستقل دعوت اور اس کے شب و روز کے مشغلے اور اس کی غالب فکر پر اُن کے ذریعے سے پانی پھیر دیں۔ یہ حرکتیں دیکھ کر دل بے اختیار اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے آخرت کی عدالت کے جملہ اختیارات اپنے ہی ہاتھ میں رکھے۔ اگر خدانخواستہ کچھ بھی اختیار ان حضرات کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہوتا تو نہ معلوم یہ کن ترازوؤں سے خلقِ خدا کو تولتے اور کیسی کیسی چھوٹی باتوں پر لوگوں کے عمر بھر کے اعمال حبط کر دیتے۔

ان حضرات کی خاص کوشش یہ ہے کہ اُن باتوں کو کسی نہ کسی طرح ہمارے سر منڈھیں جن سے ہمارے

خلاف عوام کے جذبات بھڑک سکتے ہوں۔ مثلاً یہ کہ جماعت اسلامی والے عام مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں، اپنے سوا سب کو کافر سمجھتے ہیں، گناہِ کبیرہ کے ارتکاب پر سلب ایمان کا حکم لگاتے ہیں، صحابۂ کرام کی توہین کرتے ہیں، بزرگانِ دین اور خصوصاً اکابر صوفیہ کو برا بھلا کہتے ہیں، ان کا امیر مجدد اور مہدی ہونے کا مدعی ہے اور آگے کچھ اور بننا چاہتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اِن الزامات کے ثبوت فراہم کرنے میں جیسی کچھ محنت کی جا رہی ہے اور جس جانفشانی کے ساتھ ہزاروں صفحات کے مضامین میں سے لفظ لفظ چن کر ہمارے خیالات کا ایک ایسا مجموعہ تیار کیا جا رہا ہے جو خود ہمارے علم میں بھی پہلی مرتبہ انہی حضرات کے واسطے سے آتا ہے، وہ چاہے کسی اور کی نگاہ سے مخفی ہو، مگر ہماری نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ہم اس کمالِ فن کی داد تو ضرور دیتے ہیں، کیونکہ ہم ہر کمالِ فن کے قدر شناس ہیں، خواہ وہ نقب زنی و جیب تراشی کا ہی کمال کیوں نہ ہو، مگر معلوم صرف یہ کرنا چاہتے ہیں کہ اپنی دنیا اور عاقبت سنوارنے کی فکر چھوڑ کر آخر اس کام میں یہ عرق ریزی کس لئے کی جا رہی ہے؟ اور یہ اصولِ قرآن، حدیث، یا طریقِ سلف میں کہاں سے اخذ کیا گیا ہے کہ تم ضرور ڈھونڈ ڈھونڈ کر لوگوں کو مطعون کرنے کے وجوہ تلاش کرو اور پھر بھی کام نہ چلے تو اپنی طرف سے کچھ ملا کر فردِ جرم مکمل کر دو؟

(۵)

ایک اور بات جو ہمارے لئے اس سے کچھ کم حیران کن نہیں ہے وہ ہمارے معاملہ میں بعض اکابر کے نقطۂ نظر کا تغیر ہے جو پچھلے چند برس میں رونما ہوا ہے، حالانکہ ہمارے خیالات برسوں پہلے جو کچھ تھے وہی آج ہیں، اور ہماری وہ تحریریں جن پر آج ہم ضالّ اور مُضِلّ، بلکہ بدبخت اور خبیث تک ٹھیرائے جا رہے ہیں، اُس وقت سے بہت پہلے شائع ہو چکی تھیں جبکہ اِن بزرگوں کی نگاہ میں ہم کم از کم ضالّ اور مُضِلّ تو نہ تھے۔

۱۹۴۵ء کے آغاز میں انجمن اصلاح القریٰ، ریوانہ آباد، ضلع لائل پور سے جناب مولانا کفایت اللہ صاحب کی خدمت میں ہمارے متعلق ایک استفسار بھیجا گیا تھا۔ اس کا جو جواب مولانا کی طرف سے وصول ہوا اس کے الفاظ یہ تھے:-

"مودودی صاحب کی تحریرات بیشتر صحیح ہیں اور ان کی تحریک میں نظری طور پر کوئی غلطی اور گمراہی نہیں ہے۔ صرف یہ بات محلِّ غور ہے کہ موجودہ زمانہ میں اس تحریک کے مفید و بارآور

ہونے کے لئے ظروف مساعد ہیں یا نہیں۔ اور یہ کہ محرّک صاحب حال ہے یا صرف صاحب قال"

ایک اور صاحب نے ضلع بارہ بنکی سے اُسی زمانہ میں مولانا کی خدمت میں جماعت اسلامی کے متعلق ایک سوال بھیجا تھا جس کا یہ جواب آیا تھا:۔

"مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا نظریہ اصولاً تو صحیح ہے مگر آج کل عملی نہیں ہے جیسے کوئی کہے کہ حدودِ شرعیہ جاری ہونی چاہئیں۔ یہ بات اصولاً تو صحیح ہے مگر اس زمانہ میں قطع ید سارق پر اور رجم زانی پر جاری کرنا عملاً ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ غیر اسلامی حکومت حائل ہے۔ تاہم اگر کوئی ان کی جماعت میں داخل ہو کر حسب استطاعت اسلامی خدمت کرے تو مضائقہ نہیں ہے"

آج وہی مولانا کفایت اللہ صاحب ایک دوسرا فتویٰ صادر فرماتے ہیں جو سہارنپور کے شائع شدہ ایک اشتہار میں یوں درج ہے:۔

"مودودی جماعت کے افسر مولوی ابوالاعلیٰ مودودی کو میں جانتا ہوں۔ وہ کسی معتبر اور معتمد علیہ عالم کے شاگرد اور فیض یافتہ نہیں ہیں۔ اگرچہ ان کی نظر اپنے مطالعہ کی وسعت کے لحاظ سے وسیع ہے، تاہم دینی رجحان ضعیف ہے، اجتہادی شان نمایاں ہے، اور اسی وجہ سے ان کے مضامین میں بڑے بڑے علماءِ اعلام بلکہ صحابۂ کرام پر بھی اعتراضات ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو اس تحریک سے علیحدہ رہنا چاہئے اور ان سے میل جول، ربط و اتحاد نہ رکھنا چاہئے۔ ان کے مضامین بظاہر دلکش اور اچھے معلوم ہوتے ہیں، مگر ان میں ہی وہ باتیں دل میں بیٹھتی جاتی ہیں جو طبیعت کو آزاد کر دیتی ہیں اور بزرگان اسلام سے بدظن بنا دیتی ہیں"

اسی ۱۹۴۵ء کے آخری مہینوں میں مولانا حسین احمد صاحب سے جماعت اسلامی کی دعوت کے متعلق سوال کیا گیا تھا اور اس کا جواب انہوں نے یہ دیا تھا:۔

"مولانا مودودی کا نظریہ بہت سی تحریروں میں اور رسالوں وغیرہ میں شائع ہوتا رہا ہے۔ مجھ کو اس قدر فرصت نہیں ہے کہ بالاستیعاب دیکھوں۔ جس قدر مضامین نظر سے گزرے ہیں، حالاتِ موجودہ میں ناممکن العمل ہیں، واللہ اعلم

میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ موجودہ دور میں اور اس ماحول میں کیا شرعی تکلیف ہم پر ان امور پر حسبِ تصریحات عائد ہوتی ہے یا نہیں "

ایک اور صاحب نے جو اُس وقت فیروز پور جھرکہ میں نائب تحصیلدار تھے، جماعت کی تمام مطبوعات مولانا کو بھیجی تھیں اور ان سے درخواست کی تھی کہ انہیں ملاحظہ فرما کر یہ بتائیں کہ جمعیت علماء ہند کے مسلک اور جماعت اسلامی کی دعوت میں سے کون حق پر ہے۔ نیز خصوصیت کے ساتھ "ایک اہم استفتا" کی طرف توجہ دلا کر پوچھا تھا کہ اس پمفلٹ کو پڑھ کر میرا دل اپنی ملازمت سے اچاٹ ہو گیا ہے، آپ مجھے مشورہ دیں کہ میں کیا کروں۔ اس کا جو جواب حسین آباد ضلع مظفر نگر سے مولانا کے اپنے قلم کا لکھا ہوا (مورخہ ۳۰ ذی الحجہ ۶۴ھ) وصول ہوا اس کے الفاظ یہ تھے:۔

" محترما، میں اس قدر مصروف اور عدیم الفرصت ہوں کہ روزانہ ڈاک کا دیکھ لینا بھی نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ کتابوں کا دیکھنا اور جواب لکھنا۔ مودودی صاحب فارغ ہیں، جو چاہتے ہیں لکھ دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں چھپوا دیتے ہیں۔ جمعیت العلماء نے جو طریقہ سیاسیات میں اختیار کیا ہے وہ حسب استطاعت اَہْوَنُ الْبَلِیَّتَیْن کی بنا پر ہے۔ موجودہ گرد وپیش میں جو طاقت اور قدرت موجود ہے اسی پر اس کی حرکت و سکون کا مدار ہے۔ مودودی صاحب جو فلسفہ پیش فرما رہے ہیں اس کے دیکھنے اور اس پر تنقید و تبصرہ کرنے یا اس کا جواب لکھنے کی ضرورت ہماری سمجھ میں نہیں آتی اور اگر آتی بھی تو مہلت نہیں ہے۔ مودودی صاحب اور ان کے موافقین اپنے عمل کو حرکت میں لائیں۔ ہم ان کا مقابلہ نہ کریں گے اور نہ کوئی محاذ قائم کریں گے۔ اگر ہماری سمجھ میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے وہی عمل شرعی اور مفید سمجھ میں آیا تو ہم بھی متبع بن جائیں گے ورنہ حسب قاعدۂ قرآنیہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا ہم معذور ہیں۔

دوسری چیز آپ نے اپنی ملازمت کے متعلق پوچھی ہے۔ میں جہاں تک سمجھا ہوں آپ کو جبکہ دوسرا طریقہ اکل حلال میسر ہے تو آپ کو اس ملازمت کو چھوڑ ہی دینا چاہئے اگرچہ وہ "اہم استفتا" میری نظر سے نہیں گذرا مگر جو مضمون آپ نے اس کا ذکر فرمایا ہے اقرب الی الصواب

ہے۔ آپ کے احباب کا حکم میری سمجھ میں نہیں آتا اگرچہ وہ علماء ہیں"۔

آج ٹھیک پانچ برس بعد ذی الحجہ ۶۹ھ میں وہی مولانا حسین احمد صاحب ہمارے متعلق اُس رائے کا اظہار فرماتے ہیں جو اس مضمون کے آغاز میں نقل کی جا چکی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس انقلاب رائے اور اس تغیرِ فکر و نظر کی علت کیا ہے؟ اگر اُس وقت سے اب تک کچھ نئی گمراہیاں ہم سے سرزد ہو گئی ہیں جن سے اُس وقت تک ہمارا دامن پاک تھا، تو از راہِ عنایت ضرور ہمیں اس سے آگاہ فرمایا جائے۔ یا اگر اب اِن حضرات کو اُن کتابوں کے پڑھنے کی فرصت مل گئی ہے جنہیں اُس وقت نہ پڑھا تھا، اور بالاستیعاب ان کا مطالعہ فرما کر وہ ہماری گمراہیوں پر آج مطلع ہوئے ہیں، تو کم از کم یہی بات بصراحت ارشاد فرما دی جائے۔ اور اگر بات یہ نہیں ہے بلکہ یہ سارے فتوے اور مضامین اب اس لئے برسنے شروع ہوئے ہیں کہ جماعت اسلامی کی بڑھتی ہوئی تحریک سے اپنے حلقۂ اثر کے آدمیوں کے ٹوٹنے کا اندیشہ اِن بزرگوں کو لاحق ہو گیا ہے، اور ساری فکر انہیں اب ان ٹوٹنے والوں کو روکنے کی ہے —— وہی فکر جس نے اشتراکیوں، مسلم لیگیوں، بریلویوں، قادیانیوں، اہلِ حدیث اور منکرین حدیث کو ہماری مخالفت میں متحرک کر رکھا ہے —— تو گستاخی معاف، یہ اندازِ فکر اہلِ حق کو زیب نہیں دیتا اور نہ یہ ہتھکنڈے ان کے شایانِ شان ہیں۔ یہ تو دوکانداروں کے سوچنے کا انداز ہے کہ مقابل کی دوکان اُن کے گاہکوں اور اسامیوں کو توڑنے نہ پائے، اور شاید کوئی شریف دوکاندار بھی، اگر تھوڑی سی خدا ترسی اُس میں ہو، اس حد تک گرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا کہ محض گاہک بچانے کے لئے حریف دوکاندار کے مال میں کیڑے ڈالنے لگے۔ بہرحال اپنی پوزیشن مشخص کرنا اِن حضرات کا اپنا کام ہے۔ رہے ہم، تو الحمد للہ کہ ہم دوکاندار نہیں ہیں، نہ کسی کے حریفِ تجارت ہیں۔ جس چیز کو ہم نے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے حق پایا ہے اسے خلق اللہ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ جسے حق معلوم ہو، قبول کرے، اس کا اپنا بھلا ہے۔ جسے حق نہ معلوم ہو، رد کر دے، اس کا معاملہ اُس کے خدا سے ہے۔ ساری دنیا اسے قبول کرے تو بجز آخرت کی منفعت کے ہمیں کوئی اجر اس سے مطلوب نہیں۔ اور اگر ساری دنیا اسے رد کر دے تو ہمارا اس سے کوئی نقصان نہیں۔

(۶)

آخر میں ہم تمام اُن علماء سے جو اپنے آپ کو اہلِ حق میں سے سمجھتے ہوں، اور جن کو فی الواقع دنیا کے ساتھ آخرت کی بھی کچھ فکر ہو، تین باتیں صاف صاف کہہ دینا چاہتے ہیں۔

اوّل یہ کہ ہم اِس وقت فسق و ضلالت کی اُس حکمرانی کو مٹانے کے درپے ہیں جو علوم و افکار پر، اخلاق و معاشرت پر، تہذیب و تمدّن پر اور معیشت و سیاست پر قائم ہے، اور ہماری تمام کوششیں اس کام کے لئے وقف ہیں کہ زندگی کے ان تمام شعبوں پر خدا کے دین کی حکمرانی قائم ہو۔ آپ حضرات اگر کچھ بھی توسّم کی صلاحیّت رکھتے ہیں تو کھلے کھلے آثار آپ کو یہ بتا سکتے ہیں کہ دین کی حمایت میں اس وقت وہ کونسی مستعد اور منظّم طاقت ہے جس کو فسق و ضلالت کی ساری طاقتیں اپنا اصل حریف سمجھ رہی ہیں اور کس کے خلاف انہوں نے اپنا پورا زور لگا رکھا ہے۔ اشتراکیوں سے پوچھئے کہ علماء کے پورے گروہ کو آپ اپنے لئے زیادہ خطرناک سمجھتے ہیں یا جماعتِ اسلامی کو؟ منکرینِ حدیث کی اپنی تحریروں میں دیکھ لیجئے کہ اہلِ حدیث اور دوسرے تمام حامیانِ حدیث کے خلاف اُن کا غُصّہ زیادہ بھڑکا ہوا ہے یا جماعتِ اسلامی کے خلاف؟ قادیانیوں کے اپنے اخبارات و رسائل آپ کو بتا دیں گے کہ اِن کو جماعتِ اسلامی کا زیادہ خوف لاحق ہے یا اپنے دوسرے مخالفین کا؟ مغربیت کے علمبرداروں کی تحریریں اور تقریریں اور عملی تدبیریں آپ کے سامنے خود شہادت دیں گی کہ وہ زیادہ پریشان جماعتِ اسلامی سے ہیں یا باقی ماندہ پورے مذہبی طبقے سے؟ اس حالت میں جبکہ اِن طاقتوں سے ہماری کشمکش برپا ہے، آپ کو خوب سوچ لینا چاہئے کہ آپ کا وزن کس پلڑے کی طرف جا رہا ہے۔ آپ لڑنا چاہیں تو شوق سے لڑیں۔ مگر اپنا انجام سوچ لیں۔ اگر خدا کے ہاں آپ سے بازپرس ہوئی اور پوچھا گیا کہ جب طاعت اور فسق، اور ہدایت اور ضلالت کے درمیان معرکہ برپا تھا تو تم نے کس کو کس پر ترجیح دی تھی، اُس وقت آپ کیا جواب دیں گے؟ اُس وقت آپ اپنے یہ فتوے اور یہ مضامین اور یہ اعتراضات حُجّت میں پیش کر کے بچ نکلنے کی توقع رکھتے ہوں، اور آپ کو اُمید ہو کہ ہماری خطائیں اور لغزشیں گنا کر آپ ثابت کر سکیں گے کہ اِس معرکہ کے فریقین میں دراصل کُشتنی و گردن زدنی ہم ہی تھے، تو بسم اللہ، اپنی یہ مہم جاری رکھیے

اور کچھ کسر ابھی باقی رہ گئی ہو تو اسے بھی پورا کر ڈالیے۔

دوم یہ کہ اگر فی الحقیقت آپ میں سے کوئی نفسانیت کی بنا پر نہیں بلکہ حقانیت کی بنا پر ہم سے ناراض ہے تو اس کو چاہئے کہ زبان کھولنے سے پہلے انصاف کے ساتھ ہمارے لٹریچر کا مطالعہ کرکے اس معاملہ میں ایک جچی تلی رائے قائم کرے کہ آیا ہماری حیثیت ایک ایسے گروہ کی ہے جس سے صرف اختلاف کیا جا سکتا ہے، یا ایسے گروہ کی جس کی مخالفت بھی کرنی ضروری ہے، یا ایسے گروہ کی جو مذکورۂ بالا معرکہ کے فریقین میں سے اس بات کے لئے احق ہے کہ آپ اس کے خلاف نبرد آزما ہو جائیں؟ چونکہ اس وقت کشمکش برپا ہے اور یہ ایک قطعی فیصلہ پر پہنچے بغیر ختم ہونے والی نہیں ہے، اس لئے آپ کو متفرق مسائل پر اپنی اعتراضی تقریریں مرتب کرنے سے پہلے یہ طے کرنا ہوگا کہ آیا اپنی تمام کردہ وناکردہ خطاؤں کے باوجود ہم اُن لوگوں کی بہ نسبت آپ حضرات کے لئے زیادہ قابل برداشت ہیں جو یہاں فسق و ضلالت پھیلا رہے ہیں، یا ہم ایسے ناقابلِ برداشت ہو چکے ہیں کہ ہمارے مقابلہ میں اشتراکی، قادیانی، منکرینِ حدیث، اور فرنگیت کے علمبردار، سب کو آپ برداشت کر سکتے ہیں؟

سوم یہ کہ ہمارا ہمیشہ سے یہ اعلان ہے اور آج بھی ہم اس پر قائم ہیں کہ ہماری جس بات کو خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے خلاف ثابت کر دیا جائے ہم بلا تامل اس سے رجوع کریں گے۔ اب اگر ہم سے اختلاف رکھنے والے حضرات محض فتنہ پردازی نہیں چاہتے بلکہ اختلافات کا تصفیہ چاہتے ہیں تو ان کے لئے صحیح راستہ یہ نہیں ہے کہ اشتہار بازی کریں یا مخالفانہ پراپیگنڈے پر اُتر آئیں بلکہ صحیح راستہ یہ ہے اور یہ راستہ کھلا ہوا ہے کہ انہیں ہم پر جتنے بھی اعتراضات ہوں وہ انہیں یک جا نمبروار لکھ کر ہمارے پاس بھیج دیں۔ ہم انشاء اللہ ان کی تحریر کو ان صفحات میں لفظ بلفظ درج کر دیں گے اور اپنے جوابات سے ان کو مطمئن کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔ یا اگر وہ خود اپنے ہی کسی اخبار اور رسالے میں اپنے اعتراضات شائع کرنا پسند فرمائیں تو ہم اس شرط کے ساتھ ان کا جواب دینے کے لئے تیار ہیں کہ اوّل تو وہ آئے دن کی طعنہ زنی بند کرکے اپنے جملہ اعتراضات بیک وقت مرتب فرما دیں، دوسرے یہ کہ وہ اس بات پر راضی ہوں کہ جس طرح ہم ان کے اعتراضات کو لفظ بلفظ نقل کرکے ان کا جواب دیں گے اسی طرح

نہ بھی ہمارے جواب کو اپنے ہاں لفظ بلفظ نقل کر کے پھر جو چاہیں اس پر خامہ فرسائی کریں۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۰۳)

اس دور کو اہلِ تاریخ نے "پرانک دور" کا نام دیا ہے جس میں وید اور گوتم بدھ کی تعلیم کے بجائے پرانوں کی تعلیم پر عمل شروع ہو گیا تھا۔ یہ دور بدھ ازم کے دورِ تنزل سے مسلمانوں کے داخلۂ ہند تک جاری رہا، مؤرخین کا اتفاق ہے کہ یہ دور قدیم ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ تاریک دور تھا، اس عہد میں بت پرستی اوج کمال کو پہنچ گئی۔ مندر اور عبادت گاہیں زنا و فحش کاری کے اڈے بن گئیں اور مندر کے پجاری ایسے اخلاق سوز اعمال کا ارتکاب کرنے لگے کہ ان کے تصور ہی سے انسانی روح کانپ اٹھتی ہے غرض ہندوستان میں ہندوؤں کی دینی اور اخلاقی حالت بھی اس انتہائی حالت کو پہنچ گئی تھی کہ اس کی اصلاح کی کوئی توقع نہ رہی تھی۔ (باقی)

ایک تنبیہ

ایک فاضل دوست نے متنبہ کیا ہے کہ ترجمان کے پچھلے شمارہ کے ص ۳۴۹ پر "ارذلنا بادی الرائے" کا ترجمہ "حقیر اور رائے سے کورے" کیا گیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ یہ تنبیہ بالکل درست ہے اور میں اس کے لئے شکر گذار ہوں۔ لیکن میں نے یہ ترجمہ نہیں کیا تھا بلکہ حکیم عبدالرشید محمود صاحب نے ہم لوگوں کیلئے "رائے سے کورے" کا جو لفظ استعمال کیا تھا میں نے "بادی الرائے" کے لفظ کے اندر اس کی جھلک دکھائی تھی کہ یہ دونوں الفاظ ایک ہی قسم کے ذہن سے تراوش ہوئے ہیں۔ اور معاملہ کے اس پہلو کو نمایاں کرنے کے لئے حکیم صاحب قبلہ کے الفاظ واوین کے اندر کر دیے تھے تاکہ ناظرین پر واضح ہو سکے کہ

این دو شمع اند کہ از یک گہر افروختہ اند

امید ہے اس سے کسی صاحب کو غلط فہمی نہیں ہو گی امین احسن (اصلاحی)